اُمّتِ مُسلمہ کے لیے لائحہ عمل (قسط ۲)

(سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

اب میں آپ سے درخواست کروں گا کہ تیسری آیت کی تشریح و توضیح پر اپنی توجہات کو پوری طرح مرتکز فرمائیے۔ آیت مبارکہ ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اس آیت مبارکہ پر غور و فکر کرنے سے قبل میں چاہوں گا کہ بطور مقدمہ ایک اہم بات ذہن نشین فرمالیں۔

ہم نے اب تک ان دو آیات کا مطالعہ کیا ہے کہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ...... الخ ___ ان کے مطالعہ سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ یہاں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ ایک اجتماعیت کی متقاضی ہے اور ان پر اگر پرخلوص و اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ واقعتاً عمل کیا جائے تو اس کے نتیجہ میں لازماً ایک 'اجتماعیت' وجود میں آتی ہے۔ اب آپ سے آپ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اجتماعیت کس مقصد کے لئے درکار ہے؟ ظاہر بات ہے کہ ہر کام کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ آپ کوئی چھوٹی سی انجمن بناتے ہیں تو اس کے اغراض و مقاصد معین کرتے ہیں۔ کسی مسجد کے لئے کوئی منتظمہ کمیٹی بناتے ہیں تو اس کے بھی اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط بنائے جاتے ہیں۔ لہٰذا غور طلب بات یہ ہے کہ حبل اللہ سے جڑ کر جو جمعیت وجود میں آئے گی اس کا مقصد کیا ہوگا!

یہ ہے وہ بات جس کی اس آیت میں وضاحت فرمائی گئی کہ: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ۔ اس آیت کے دو ترجمے کئے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہاں "مِنْ" بیانیہ ہے اور بعض کے نزدیک تبعیضیہ ہے۔ یہ دونوں لغوی اصطلاحات ہیں ان سے ترجمہ میں جو فرق واقع ہوتا ہے اسے سمجھئے۔ مقدم الذکر تاویل کے اعتبار سے ترجمہ یہ ہوگا "تم سے ایک ایسی امت وجود میں آنی چاہئے"۔ اور اگر یہاں مِنْ کو تبعیضیہ سمجھا جائے تو

© rasailojaraid.com

ترجمہ ہوگا: "تم میں سے ایک ایسی امّت وجود میں آنی چاہیے"۔ میرے نزدیک یہ دونوں ترجمے صد فیصد درست ہیں۔ مسلمان سب کے سب مل کر ایک امّت بن جائیں جن کا کام کیا ہو۔ یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ یہ تو ہو جائے گی اس ترجمہ کی وضاحت کہ "تم سے ایک ایسی امّت وجود میں آنی چاہیے جو یہ یہ کام کرے"۔ لیکن چونکہ اس مضمون کی آیت اسی سورہ آل عمران میں آگے موجود ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔[1] لہٰذا اکثر مفسرین کی رائے میں یہاں 'مِنْ' بیانیہ نہیں بلکہ تبعیضیہ ہے۔ یعنی اگر صورتِ حال یہ ہو جائے کہ پوری امّت سو گئی ہو، پوری امّت کو اپنی ذمّہ داریوں کا احساس نہ رہا ہو، پوری امّت اپنے فرضِ منصبی کو فراموش کر چکی ہو تو اس صورت میں کیا ہونا چاہیے۔

آگے بڑھنے سے قبل بطورِ جملہ معترضہ میں ایک بات عرض کر دوں۔ بات تلخ ہے لیکن ہے امرِ واقعہ! اگرچہ نظری طور پر ہم دنیا کے تمام مسلمانوں پر 'امّتِ مسلمہ' کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت کوئی ایک 'امّتِ مسلمہ' اس وقت دنیا میں وجود نہیں رکھتی۔ امّتِ مسلمہ ہے کہاں! یہاں تو فی الواقع بیشمار قومیں ہیں۔ جن کو مسلم اقوام (Muslim Nations) کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ علّامہ اقبال کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے کہ اس صدی میں وحدتِ ملّی کا ان سے بڑا حدی خواں کوئی نہیں تھا ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا!!

اور ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

تو اس صدی میں وحدتِ ملّی کے سب سے بڑے حدی خواں یعنی علّامہ اقبال کو اپنے لیکچرز 'تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ' میں یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اس وقت دنیا میں کوئی امّتِ مسلمہ ایک اکائی اور اتحاد کے اعتبار سے موجود نہیں ہے ___ بلکہ جو حقیقی یعنی De-facto پوزیشن ہے وہ یہ ہے کہ "مسلمان اقوام" (Muslim Nations) موجود ہیں اور یہ بھی آج سے نصف صدی سے بھی پہلے کی بات تھی۔ اغلباً ۱۹۲۸ء کے علامہ کے لیکچرز ہیں۔ اب صورت یہ ہے کہ کسی ملک میں 'ایک قوم' (Nation) نہیں رہی بلکہ وہ بھی کئی قومیتوں کے اندر منقسم ہے۔ دنیا میں پاکستانی ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ صوبوں کی بنیاد پر یہاں پانچ قومیتوں کے تصوّر کو شروع ہی سے

---

[1] ترجمہ: تم سب امّتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئیں۔ اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

ابھارا جاتا رہا ہے جس کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان بنگلہ قومیت کی بنیاد پر بنگلہ دیش بن گیا اور غیر بنگالیوں مسلمانوں کو وہاں تہ تیغ کیا گیا۔ پھر اس موجودہ پاکستان میں کوئی صوبہ بھی ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ اس کے اندر صرف ایک قوم آباد ہے۔ کیا بلوچستان میں جہاں بلوچ ہیں وہاں بروہی نہیں ہیں! کیا وہاں پٹھان موجود نہیں ہیں! کم از کم تین بڑی قومیں اس ایک صوبے کے اندر بستی ہیں۔ یہی معاملہ پاکستان کے بقیہ صوبوں کا ہے ـــــ! اور تو اور ایک عربی بولنے والے عرب نہ معلوم کتنی قومیتوں میں منقسم ہیں ـــــ

تو حقیقت یہی ہے اگرچہ بڑی تلخ ہے کہ آج "ایک امتِ مسلمہ" بالفعل موجود نہیں ہے۔ وہ تو ہمارا صرف ایک ذہنی تصور ہے کہ امتِ مسلمہ یا امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام فی الواقع اپنا وجود رکھتی ہے اور اس ذہنی تصور کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ جو بھی حضورؐ کا کلمہ پڑھتا ہے وہ حضورؐ کا امتی ہے۔

یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ لیکن غور کیجئے کہ کیا یہ امت مربوط ہے! کیا اس کی کوئی اجتماعیت ہے! کیا اس میں کوئی ڈسپلن ہے۔ کیا اس میں کوئی کسی کا حکم سننے اور ماننے والا ہے! مجھے افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ ایسی صورتِ حال موجود نہیں ہے۔ آج افغانستان میں روسی فوج افغانوں کا قتل عام کر رہی ہے۔ کیا اس کے روسی فوج کے ساتھ افغانی فوج نہیں ہے! کیا وہ اپنے بھائیوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگ رہی! کارمل کے ساتھ روسیوں کے علاوہ افغانی فوج بھی تو ہے۔ جو اپنے ہاتھوں اپنے بھائیوں کے گلے کاٹ رہی ہے۔ ایران اور عراق کی جو جنگ ہو رہی ہے کیا یہ مسلمان کہلانے والے دو ملکوں کی جنگ نہیں! ستم یہ ہے کہ عراق کی قریباً نصف آبادی شیعوں پر مشتمل ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ ایران کی غالب اور عظیم ترین اکثریت شیعوں ہی کی ہے۔ لہٰذا مذہبی اعتبار سے عراق کی نصف کے قریب آبادی ایران کی ہم مذہب ہے۔ لیکن چار سال ہونے کو آئے اور یہ جنگ تاحال جاری ہے۔ دونوں اطراف سے شدید مالی و جانی نقصان ہو رہا ہے۔ دوسرے مسلم ممالک کی وہ تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں جو اس جنگ کو بند کرانے کے لئے کی جا رہی ہیں۔ سنیوں اور شیعوں کا جو مسلح خونیں تصادم لبنان میں ہو رہا ہے وہ کسی اخبار بین شخص سے پوشیدہ ہے! وہ مظالم جو کبھی عیسائی ملیشیا نے مسلمانوں پر ڈھائے تھے، وہی مظالم شیعہ ملیشیا نے فلسطینی پناہ گزینوں کے کیمپوں پر ڈھائے ہیں۔

یہ تمام ہنگامے بتا رہے ہیں کہ امتِ مسلمہ بالفعل کہیں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ان حالات میں یہ آیت خوب سمجھ میں آتی ہے کہ جب پوری امت سوئی ہوئی ہو، یا مختلف قومیتوں میں بٹی ہوئی ہو یا اس نے مختلف سمتوں کی طرف اپنے اپنے قبلے بنا لئے ہوں تو ایسی صورت میں اس بڑی امت کے اندر کوئی چھوٹی امت لازماً ایسی موجود میں آنی چاہیے جو اس قرآنی ہدایت پر عمل پیرا ہو جو آیہ زیرِ بحث میں

© rasailojaraid.com

بیان کی گئی ہے ۔۔۔ وہ ہدایت کیا ہے؟ اس پر گفتگو ذرا آگے چل کر ہوگی۔ ہو سکتا ہے یہاں بعض لوگ چونکیں کہ یہ بڑی امت کے دائرے کے اندر 'چھوٹی امت' کا کیا تصور ہے! ۔۔۔ آپ نے 'ریاست میں ریاست' (State within state) یا Party within party کی اصطلاح ضرور سنی ہوگی جو لوگ میری عمر کے ہیں یا مجھ سے بڑے ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ کانگریس ایک بہت بڑی پارٹی تھی لیکن اس میں فارورڈ بلاک (Forward Block) علاحدہ تھا۔ جو زیادہ انقلابی ذہن رکھتے تھے۔ انہوں نے کانگریس میں شامل ہونے کے باوجود سبھاش چندر بوس کی قیادت میں اپنا جداگانہ بلاک بنا رکھا تھا۔ 'Party within party' کی یہ نظیر استخلاصِ وطن کی تحریک میں موجود رہی ہے ۔۔۔ اسی طرح آج جو امتِ مسلمہ ہے اور محض ایک نظری حقیقت بن کر رہ گئی ہے جس کی کوئی واقعاتی حقیقت نہیں ہے تو اس بڑی امت میں ایک چھوٹی امت ایسے لوگوں پر مشتمل وجود میں آئے جنہوں نے کسی نہ کسی درجہ میں اس سیڑھی پر قدم رکھا ہو جس کا حکم پہلی آیت میں آیا تھا۔ یعنی وہ لوگ دولتِ تقویٰ سے مالامال ہوں ۔۔۔ میں پھر عرض کر دوں کہ تکمیل کا کوئی دعویدار نہیں ہو سکتا ۔۔۔ جو کمی ہو اسے پورا کرنے کی وہ مسلسل کوشش کر رہے ہوں ۔۔۔ اور پھر یہ کہ انہوں نے دوسری آیت کا تقاضا بھی کسی قدر پورا کیا ہو یعنی انہوں نے اپنے آپ کو قرآن سے جوڑا ہو ۔ اب وہ باہم ایک دوسرے سے مل کر ایک اجتماعی طاقت وجود میں لائیں۔ اس اجتماعیت کا مقصد کیا ہو! اس کے لیے یہاں تین چیزوں کا تعین کیا گیا!

پہلا مقصد "یَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ" یعنی دعوت الی الخیر ۔۔ نیکی اور بھلائی کی طرف لوگوں کو بلانا ۔ دوسرا مقصد نیکی اور بھلائی کا حکم: يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۔۔۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیر کی دعوت اور خیر کا حکم! کیا یہ ایک ہی چیز ہے جس کا اعادہ کیا جا رہا ہے! معاذ اللہ قرآن مجید میں کسی ایک ہی مقام پر اس طرح کا اعادہ جو تکرار محض کے ضمن میں آئے ممکن نہیں ہے ۔ چنانچہ یہاں ہمیں 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کے مصداق کا الگ الگ تعین کرنا ہوگا. غالب امکان یہ ہے کہ یہاں دعوت الی الخیر سے مراد قرآن کی طرف دعوت ہے۔ چونکہ قرآن کی رُو سے سب سے بڑا خیر خود قرآن ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ یونس کی آیات ۵۷ اور ۵۸ میں قرآن مجید نے نہایت پرشکوہ اسلوب سے اپنی عظمت کو بیان کیا ہے ۔ مؤخر الذکر آیت کے آخر میں قرآن اپنے متعلق کہتا ہے: هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ "یہ جو کچھ جمع کر رہے ہیں وہ (قرآن) ان سب سے بہتر ہے"! قرآن مجید دنیوی دولت کو بھی خیر کہتا ہے مثلاً سورہ العٰدیٰت

میں فرمایا: وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ یعنی " انسان مال و دولت کی محبت میں بہت شدید ہے۔ لیکن سورہ یونس میں قرآن اپنے لئے کہتا ہے کہ جو کچھ بھی تم دنیوی مال و اسباب جمع کرتے ہیں ان سب سے کہیں قیمتی شئے خود قرآن ہے۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ لہذا کہا جائے گا کہ یہاں دعوت الی الخیر سے مراد ہے قرآن مجید کی طرف دعوت! ـــــ اور امر بالمعروف اب عام ہو جائے گا نیکی، بھلائی، خیر کی تلقین کرنا، اس کی وضاحت کرنا۔ اس کا مشورہ دینا، اس کا حکم دینا 'امر' کے لفظ میں یہ تمام مفاہیم موجود ہیں۔ پہلا امکان اور فرق بات تو یہ ہے:

دعوت الی الخیر اور 'بالمعروف' کے مصداقات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ دعوت میں حکم کا پہلو نہیں ہوتا۔ دعوت میں صرف تلقین ہے۔ نصیحت ہے بلکہ خوشامد بھی ہے کہ خدا کے لئے یہ کام بُرا ہے اسے چھوڑ دیجئے اور بھائی یہ کام اچھا ہے۔ آیئے اور اس کو کیجئے۔ اس انداز اور اس طریقہ سے آپ لوگوں کو بلاتے ہیں کہ اگر آپ یہ کام کریں گے تو آپ کو آخرت میں یہ اجر و ثواب ملے گا دعوت کا درحقیقت یہی انداز ہوتا ہے۔ اس میں تحکمانہ انداز نہیں ہوا کرتا۔ لہذا یہاں علاحدہ کر دیا گیا: يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ۔ نیکی کی طرف بلاؤ، بڑی نرمی سے بلاؤ، خیر خواہی کے جذبہ سے بلاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا گیا تھا۔ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ دونوں جلیل القدر پیغمبروں کو حکم دیا گیا کہ " فرعون کے پاس جاؤ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے۔" فرعون کون ہے دشمن خدا اور خود خدائی کا مدعی۔ مگر حکم دیا جا رہا ہے کہ " لیکن اس سے نرم انداز سے بات کرنا۔ سختی کا انداز اختیار نہ کرنا۔ شاید کہ وہ نصیحت پکڑے اور اس کے دل میں بات اتر ہی جائے " ـــــ تو یہ ہے دعوت کا انداز لیکن اس سے آگے کا قدم ہے " امر بالمعروف " نیکی کا حکم دینا۔ جبکہ دعوت میں حکم کا کوئی پہلو نہیں ہوتا ـــــ غور کیجئے کہ یہ اصطلاح سب سے پہلے کب آئی! سورۂ حج میں جب اہل ایمان کو تمکن فی الارض کی نوید سنائی گئی: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ " یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اگر ہم زمین میں تمکن فی الارض عطا کر دیں (اقتدار بخش دیں) تو وہ نماز کا نظام قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے" ـــــ یہاں تحکم کا انداز ہے نیکی کو قوت کے ساتھ، نیکی کو طاقت کے ساتھ رائج کرنا، نافذ کرنا ـــــ یہ ہے دراصل دعوت سے اگلا قدم!

© rasailojaraid.com

اب تیسری بات پر آئیے۔ جو بدقسمتی سے ہمارے بہت سے نیک لوگوں کے ذہن سے بھی آج خارج ہو چکی ہے۔ وہ بات ہے : نَہِیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ ۔ بدی سے روکنا ــــ ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس بھلائی کی تلقین سے کام چل جائے گا۔ صرف نیکی کا وعظ کہنے سے بات بن جائے گی۔ حالانکہ یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ میں قرآن مجید کے کم سے کم نو ایسے مقامات کا حوالہ دے سکتا ہوں۔ جہاں گاڑی کے دو پہیوں کی طرح یہ دونوں اصطلاحات بالکل ساتھ ساتھ اور جوڑے کی شکل میں آئی ہیں۔ وَأْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ، نیکی کا حکم دیا کرو اور بدی سے روکو ــــ بدی سے روکنا کتنا اہم ہے اس کو ان دو حدیثوں سے سمجھئے جو میں نے آغاز میں آپ کو سنائی تھیں۔ میں وقت کی کمی کے باعث صرف مختصر تشریح پر اکتفا کروں گا ــــ میں نے آپ کو جو حدیثیں سنائی تھیں یہ دونوں مسلم شریف کی روایات ہیں "صحیح مسلم" کا کتب احادیث میں کیا مقام ہے! اسے بیان کرنے کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا مجھے یقین ہے کہ اس اجتماع میں جو لوگ شریک ہیں وہ "صحیح مسلم" کے مقام و مرتبہ سے بخوبی واقف ہوں گے۔ ایک حدیث کے راوی ہیں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مجھے توقع ہے کہ یہ حدیث آپ میں سے اکثر نے سنی ہو گی۔ لہٰذا اس کا تو صرف متن کے ساتھ ترجمہ کر دوں گا لیکن دوسری حدیث اس قدر زیادہ عام نہیں ہے حالانکہ اس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ہماری جو فقہ حنفی ہے وہ دراصل فقہ عبداللہ ابن مسعود ہے، اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دو واسطوں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں۔ لہٰذا درحقیقت انہی کی فقہی آراء ہیں کہ جنہوں نے فقہ حنفی کی شکل اختیار کی۔

پہلی حدیث جس کے راوی ہیں حضرت ابوسعید الخدریؓ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مَنْ رَأٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ "جو کوئی تم میں سے برائی کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے یعنی طاقت سے اسے بدل ڈالیں"۔ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ "لیکن اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اس کے ہاتھ میں قوت و طاقت نافذہ نہ ہو تو اسے زبان سے روکے، اس کی مذمت کرے، اس پر تنقید کرے" زبان سے اسے بدلنے کی کوشش کرے" ــــ وان لم یستطع فبقلبہ "اگر اس کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو، زبانوں پر بھی قدغنیں لگا دی گئی ہوں، زبان پر بھی پہرے ہوں تو "فبقلبہ"، کم سے کم دل میں ایک گھٹن محسوس کرے، قلب میں ایک کرب، صدمہ اور رنج کی کیفیت تو ہو" حضور صلی اللہ علیہ نے اس آخری کیفیت کے بارے میں فرمایا : وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔ "یہ ایمان کا کمزور ترین تر درجہ ہے" ــــ اب میں آپ سے اس حدیث پر غور کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ دیکھئے اس میں پہلی اہم بات تو یہ ہے کہ اس میں "امر بالمعروف" کا ذکر موجود ہی نہیں ہے۔

d.com

سارا زور "نہی عن المنکر" پر ہے۔ ایک اسلامی نظامِ حکومت کا فرض ہے کہ قوت و طاقت کے ساتھ منکرات کو روک دے لیکن اگر اسلامی نظامِ حکومت قائم نہیں ہے اور منکرات کو فروغ ہو رہا ہے تو بندۂ مومن پر واجب ہے کہ وہ ڈنکے کی چوٹ حق کی بات کہے، منکرات کے خلاف تنقید کرے، زبان و قلم سے ان منکرات کو بدلنے کی سعی کرے۔ لیکن ایک شخص کمزور ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے منکرات کے خلاف آواز اٹھائی، زبان کھولی تو اوّل تو معاشرہ ہی میں میرا استہزا ہوگا، مذاق اڑے گا پھر ہو سکتا ہے کہ حکومت وقت مجھے اس پر قید کر کے جیل میں ٹھونس دے۔ لہٰذا وہ زبان سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں پاتا۔ لیکن وہ ان منکرات کے خلاف دل میں چبھن اور گھٹن محسوس کرتا ہے، ان منکرات پر کڑھتا ہے۔ تب بھی حضورؐ کے ارشاد کے موجب اس کے دل میں ایمان ہے تو سہی ہے لیکن کمزور ترین ایمان ہے۔ "اَضْعَف" افعل التفضیل کا صیغہ ہے یعنی ایمان کی کمزوری اپنی آخری حدود کو چھو رہی ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کی دوسری روایت کے آخری حصہ میں "وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانُ" کے بجائے یہ الفاظ آئے ہیں کہ: "وَلَيْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ" یعنی اگر ان تین حالتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو ایسا شخص جان لے کہ اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان موجود نہیں ہے ــــ البتّہ یہ تینوں کیفیتیں ایسی نہیں ہیں کہ جن کے لئے خارج میں آپ کوئی ضابطہ بنا سکیں بلکہ اس کا سارا معاملہ انسان کے اپنے ایمان و یقین پر ہے۔ اس کے اندر کتنا یقین (Conviction) ہے۔ اس کے اندر دین کے لئے کتنی غیرت ہے! کتنی حمیّت ہے! اس کا دار و مدار اس پر ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسے ماں کی گالی دی جائے اور وہ چپ کھڑا رہے۔ اس کا یہ طرزِ عمل غمازی کرتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کے اندر جرأت و ہمت نہیں ہے بلکہ غیرت و حمیّت کا بھی فقدان ہے ــــ لیکن کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسے ماں کی گالی دی جائے تو اگر اس میں ہمت نہیں ہے۔ مگر غیرت و حمیّت موجود ہے تو یہ لازماً یہ ہو کر رہے گا کہ اس کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر آ جائے گا۔ وہ کچھ اور نہیں کر سکے گا تو اپنی جگہ کھڑا ہوا کانپنے لگے گا اور لرزے گا اور دل ہی دل میں انتہائی کرب، صدمہ اور رنج محسوس کرے گا۔ غیرت و حمیت کا کم سے کم تقاضا یہ تو ہر ایک تسلیم کرے گا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو جائے، وہ تھرتھرائے اور دل میں کرب و اضطراب محسوس کرے اور اگر اس میں کوئی دم بھی ہے طاقت بھی ہے تو وہ اس شخص کو جانے نہیں دے گا جس نے اسے ماں کی گالی دی ہے ــــ

اس مثال سے اس بات کو سمجھئے کہ جن میں اللہ کے دین کی زیادہ غیرت و حمیت ہو گی، وہ اپنی کمزوری کے باوجود ڈٹ جائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ جیلوں میں ٹھونس دیئے جائیں گے۔

© rasailojaraid.com

یا پھر یہ کہ لاٹھیوں اور گولیوں کی بوچھاڑ سہنی پڑے گی۔ یا آخری درجہ میں ہدیۂ جان کا نذرانہ دینا پڑیگا۔ اس زندگی کا اس سے بہتر مصرف اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسے اللہ کی راہ میں کھپا دیا جائے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی! حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

حدیث کا آخری ٹکڑا " وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَان یہ بتا رہا ہے کہ اصل مطلوب اور غیرت و حمیت دینی کا تقاضا یہ ہے کہ بدی کے خلاف طاقت فراہم کی جائے اور اس کا استیصال کیا جائے۔

اب دوسری حدیث کی طرف آئیے۔ یہاں اس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور زیادہ نکھار کر بیان کیا ہے۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ اس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِیْ اُمَّتِہٖ قَبْلِیْ ـــ "مجھ سے پہلے اللہ نے جس امت میں کسی نبی کو مبعوث فرمایا" اِلَّا کَانَ لَہٗ فِیْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ " تو اس کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب ہوتے تھے" ـــ حواری کا لفظ خاص طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے آتا ہے جیسے :- قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ ـــ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لئے صحابی یا اصحاب کا لفظ آتا ہے ـــ حضورؐ نے یہاں دونوں الفاظ یعنی حواریون اور اصحاب کو جمع کر لیا ـــ وہ کیا کرتے تھے؛ یَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ " وہ اپنے نبی کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھتے تھے اور نبیؐ کا جو بھی حکم ہوتا تھا اس کی پیروی کرتے تھے" ـــ ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ ـــ "پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین آتے تھے جو نالائق و ناخلف ہوتے تھے ـــ گویا ایک دو تین نسل تک تو معاملہ بڑی حد تک ٹھیک ٹھاک چلتا تھا۔ میں نے ایک دو نسل کیوں کہا! یہ بھی حضورؐ کی ایک حدیث میں آیا ہے: خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ "میری امت کا بہترین دور میرا دور ہے پھر ان لوگوں کا جو میرے اصحابؓ سے ملیں گے پھر ان لوگوں کا جو میرے اصحابؓ سے ملنے والوں سے ملیں گے۔" ان ادوار کو ہم " قُرُوْنٌ مَشْھُوْدٌ لَھَا بِالْخَیْرِ " کہتے ہیں۔ گویا حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کا زمانہ بہترین ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر تابعین کا زمانہ ہے اور اس کے بعد درجہ ہے تبع تابعین کے عہد کا!

ـــ اب پھر حدیث زیر بحث کی طرف رجوع کیجئے فرمایا: ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ۔ ایک ایک لفظ پر غور کیجئے ـــ حضورؐ نے فرمایا" ان کے بعد ان کے ایسے جانشین آجاتے تھے جو ناخلف اور نالائق ہوتے تھے" یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ " وہ کہتے تھے جو کچھ کرتے نہیں تھے"

d.com

—— وَيَفْعَلُوْنَ مَالَا يُؤْمَرُوْنَ ۔ "اور کرتے وہ کام تھے جن کا انہیں حکم نہیں ہوا تھا" —— یہاں اشارہ بدعات کی طرف ہے! دین میں نئی نئی چیزیں ایجاد کر لی گئی ہیں۔ نئے نئے طریقے اختراع کر لئے گئے ہیں —— یہ اصول پیشِ نظر رکھئے کہ جو بدعت بھی آئے گی وہ کسی نہ کسی سنّت کو ہٹا کر اس کی جگہ لے گی۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ بدعت آئے اور سنّت رخصت نہ ہو —— ان ناخلف اور نالائق جانشینوں کے متعلق حضورؐ نے بڑا خوبصورت اور جامع پیرایہ بیان اختیار فرمایا: يَقُوْلُوْنَ مَا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون —— آگے بڑھنے سے قبل پہلے تو یہ غور کیجئے کہ ہم کس دور میں ہیں! آیا ہم اس دور میں بس رہے ہیں جس کا ذکر پہلے کیا گیا یا اس میں جس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔ اب تو پندرھویں صدی شروع ہو چکی ہے —— میں تو کہا کرتا ہوں کہ دورِ صحابہؓ کے بعد چوتھی ہی نسل سے بالکل ابتدائی درجے میں وہ بات شروع ہو چکی تھی۔ جس کے متعلق مشہور تبع تابعی، محدث اور اپنے دور کے عالم باعمل اور مجاہد حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں رہنمائی کی ہے ؎

وَمَا اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ   وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَ رُهْبَانُهَا

یعنی دین میں جو خرابی بھی آتی ہے وہ تین اطراف سے آتی ہے۔ بادشاہوں کی طرف سے۔ علماءِ سو یعنی بُرے علماء کی طرف سے اور بُرے صوفیوں کی طرف سے! ایک تو علماء حقّانی ہیں جو واقعی اللہ کے دین کو عام کرتے ہیں، اس پر خود بھی چلتے ہیں اور لوگوں کو بھی چلاتے ہیں —— ایک وہ اللہ والے صوفیاء ہیں جو اللہ ہی کے راستہ پر چلنے اور چلانے والے ہیں۔ لیکن اس بازار میں تو ہر طرح کے لوگ موجود ہیں۔ جہاں علماء حقّانی ہیں وہاں علماء سوء بھی ہیں۔ جہاں دین و شریعت پر حامل صوفیاء ہیں وہاں دنیا دار اور ظاہر دار صوفی بھی ہیں —— حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ کی تشخیص کے مطابق دین میں خرابی ان تین اطراف سے آتی ہے اور انہوں نے ان خرابیوں کا بنفسِ نفیس کسی قدر مشاہدہ کیا ہوگا جب ہی تو یہ تشخیص کی تھی۔ تو آپ اندازہ کیجئے کہ پندرھویں صدی میں ہم بیٹھے ہیں تو خرابیوں کے اعتبار سے ہم کس مقام پر ہیں! —— آگے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں: فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ "جو کوئی ایسے ناخلف لوگوں سے جہاد کرے گا اپنے ہاتھ سے پس وہ مومن ہے"۔ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ "اور جو ایسے لوگوں سے جہاد کرے گا اپنی زبان سے پس وہ مومن ہے"۔ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ "اور جو ایسے نالائقوں کے خلاف اپنے دل سے جہاد کرے۔ ان کے افعال پر اپنے دل میں کرب اور

© rasailojaraid.com

صدمہ محسوس کرے، مضطرب اور بے چین رہے پس وہ (بھی) مومن ہے" —— اور آخر میں حضورؐ نے فرمایا: وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ ـ" اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں ہے"۔ حضورؐ کے اس ارشاد کے آخری حصّہ پر غور کیجئے! یہ لرزہ طاری کر دینے والی وعید ہے ـ اگر ان تین حالتوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے ـ تو الصادق والمصدوق، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کے ایمان کی نفی فرما رہے ہیں ـ یہ واضح رہے کہ یہاں حقیقی ایمان کی نفی مراد ہے ـ قانونی طور پر نفی نہیں ہے اور دل دل کا معاملہ ہے ـ ظاہر بات ہے کہ دل اور نیت کے معاملات کے متعلق اس دنیا میں کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا ـ یہ فیصلہ تو اُخروی عدالت میں ہوگا جس کے متعلق سورہ تغابن میں فرمایا: ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ـ "آخرت کا دن ہے ـ اصل ہار جیت کے فیصلہ کا دن" —— اس پہلی حدیث کے آخری حصّہ کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں جو حضرت سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ اس میں دوسرے طُرق کی روایت کے آخر میں وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانُ کی جگہ یہی الفاظ آئے ہیں: وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ ـ

اس حدیث شریف کے ایک اہم نکتہ کی جانب توجہ کیجئے! ـ اس حدیث میں 'ھُمْ' کی ضمیر مفعولی انتہائی قابلِ غور ہے ـ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان ناخلف جانشینوں کے خلاف جہاد کی تاکید فرما رہے ہیں جو مسندِ اقتدار پر بیٹھ کر منکرات کو فروغ دے رہے ہوں، جن کے طور طریقے منکرات پر مشتمل ہوں ـ جو ذرائعِ ابلاغ کو منکرات کی تشہیر و اشاعت کے لئے استعمال کر رہے ہوں، جو ملک بھر میں ایسے تمام اداروں کی دامے، درمے، سخنے سرپرستی کر رہے ہوں جو منکرات کے فروغ میں دن رات مصروف ہیں جن کی مساعی کی بدولت معروفات معاشرہ میں سسک رہی ہوں اور وہ سنڈاس بن گیا ہو —— ساتھ ہی ان علماءِ سوء کے اور ان نام نہاد صوفیاء کے خلاف بھی جہاد کی تاکید اس حدیث میں تبعاً موجود ہے جو مسندِ افتاء و ارشاد پر بیٹھے ان منکرات کو دیکھ رہے ہوں اور ان منکرات کے خلاف مہر بہ لب ہی نہ ہوں بلکہ اقتدارِ وقت کے اعوان و معین بنے ہوئے ہوں ـ

(جاری ہے)

d.com